قرآن کے بیان کردہ طریق سے ہی امن قائم ہو سکتا ہے

(فرمودہ ۳۰؍ستمبر ۱۹۳۸ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''ہماری جماعت ایک مذہبی جماعت ہے اور ہمیں بحیثیت جماعت براہِ راست سیاسیات سے کوئی تعلق نہیں لیکن بعض موقعوں پر سیاسیات اخلاق کے ساتھ وابستہ ہو جاتی ہیں اور ان سے وابستہ ہو کر مذہب کا بھی جزو ہو جاتی ہیں۔ گو یہ جائز نہیں جیسا کہ ہمارے ملک میں مولویوں اور ملانوں کا قاعدہ ہے کہ ہر چیز کو کھینچ تان کر مذہب کا جُزو بنا دیتے ہیں گورنمنٹ نے کوئی رستہ سیدھا کرنے یا سڑک صاف کرنے کے لئے کسی مسجد کے غسل خانہ یا طہارت خانہ کو اپنی جگہ سے ہلایا تو سارے ملک میں شور بپا کر دیا کہ مداخلت فِی الدین ہو گئی۔

یہ مذہب نہیں بلکہ مذہب کے ساتھ تمسخر ہے کیونکہ کم سے کم انگریزی گورنمنٹ ایسے تغیرات کسی مذہبی غرض کے ماتحت نہیں کرتی بلکہ تمدنی اغراض کے ماتحت کرتی ہے۔ ہندوؤں مسلمانوں غرضیکہ سب پبلک کے مفاد کے لئے سڑک چوڑی کرنے کی غرض سے پاخانہ کی جگہ کو اگر ہٹا کر وہاں کر دیا گیا تو یہ مداخلت فی الدین نہیں ہو سکتی ، یہ تو اگر کوئی عقلمند مسلمان حکومت ہو تو وہ بھی کر لے گی مگر یہ لوگ ہر چیز کو مذہب میں داخل کر دیتے ہیں۔ حتّٰی کہ کبھی تو یہ فتویٰ دے دیتے ہیں کہ کانگرس میں شریک ہونا کفر ہے اور کبھی یہ کہ کانگرس میں شریک ہوئے بغیر اسلام باقی نہیں رہ سکتا ، یہ طریق بالکل ناجائز ہے۔ گو بعض مواقع پر سیاست اور مذہب ایک ہو جاتا ہے

اس صورت میں سیاست کی طرف توجہ کرنا اسلام کے لئے مفید ہوتا ہے اور ایسے ہی مواقع میں سے ایک کے متعلق میں آج کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔

آج صبح کی خبروں سے جو وائرلیس کے ذریعہ موصول ہوئی ہیں پتہ لگتا ہے کہ یورپ میں جنگ کے جو آثار نظر آرہے تھے اور جن کو دور رکھنے کے لئے برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر چیمبرلین کوشش کر رہے تھے ان کی کوشش کامیاب ہوگئی ہے۔ بظاہر یہ ایک سیاسی چیز ہے مگر جیسا کہ میں آگے چل کر بتاؤں گا اس میں اسلام کی عظیم الشان فتح ہے۔ فیصلہ ان اصول پر ہؤا ہے کہ یکم اکتوبر کو زیکوسلواکیہ کا جرمن علاقہ جرمنی کے سپرد کر دیا جائے گا تا اس کا چیلنج پورا ہو جائے اور بقیہ حصہ دس اکتوبر تک آہستہ آہستہ دیا جاتا رہے گا مگر یہ علاقہ اس سے کچھ کم ہے جو جرمن مانگتے تھے۔ باقی جو جھگڑے والا علاقہ ہے یا جو دوسرے ضمنی سوالات یعنی جنگی اور اقتصادی امور حل طلب ہیں مثلاً یہ کہ جو زیک اس علاقہ سے دوسرے علاقہ میں جائیں گے یا جو جرمن کسی دوسرے علاقہ سے یہاں آئیں گے ان کی جائدادوں وغیرہ کا کیا بنے گا، ان کا ایک کمیشن کے ذریعہ جس میں برطانیہ، فرانس، اٹلی اور زیکوسلواکیہ کا ایک ایک نمائندہ ہوگا فیصلہ کیا جائے گا اور کوشش کی جائے گی کہ اکتوبر کے آخر تک یہ سب فیصلہ کر دیا جائے اور ۲۵ ر نومبر تک کُل جھگڑے کا فیصلہ ہو جائے گا۔ یہ یورپ کی جنگ کا سوال تھا جو اس وقت ساری دنیا کا مالک سمجھا جاتا ہے اور خالص جنگ کو مدنظر رکھتے ہوئے ایشیا کو اِس سے کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی۔

ایشیا قومی لحاظ سے سیاسی رنگ میں اپنی طاقت کھو چکا ہے۔ ایشیا کا سب سے بڑا ملک چین ہے جو اس وقت فٹ بال کی گراؤنڈ بنا ہؤا ہے، دوسرا بڑا ملک یعنی ہندوستان اس وقت یورپ کی ایک بڑی قوم کے ماتحت ہے گویا ایشیائی آبادی کا بیشتر حصہ یا تو طاقت سے محروم ہے یا دوسروں کے ماتحت ہے۔ ایشیاء میں اگر کوئی طاقت ہے تو وہ جاپان کی ہے، اس کے علاوہ ایران، افغانستان اور ٹرکی وغیرہ چھوٹی چھوٹی حکومتیں ہیں جو اگر اپنی جان بھی بچا سکیں تو غنیمت ہے۔ سائبیریا کا رقبہ بہت بڑا ہے مگر وہ روس کے ماتحت ہے۔ گویا ایشیا کی زمین میں سے ۴/۵ حصہ دوسروں کے ماتحت ہے یا اگر آزاد ہے تو اس کی آزادی برائے نام ہے۔ جیسے چین ہے اسے اگرچہ آزادی حاصل ہے مگر ایسی ہی جیسی بلی چوہے کو آزادی دیتی ہے وہ اسے پکڑتی ہے

اور پھر چھوڑ دیتی ہے مگر جب وہ بھاگنے لگتا ہے تو پھر پکڑ کر ایک چپت رسید کر دیتی ہے۔ تو چین بظاہر تو آزاد ہے مگر مختلف اقوام کے معاہدات کے رو سے وہ کئی ممالک کا غلام ہے اور اس لحاظ سے اس کی حالت ہندوستان سے بھی بدتر ہے۔ ہندوستان میں تو پھر بھی ایک منظّم حکومت ہے مگر وہاں اس سے بدتر حالت ہے۔ اب تو خیر اس پر جاپان نے حملہ کر رکھا ہے مگر اس سے پہلے بھی وہ آزاد طاقت نہ تھی۔ ایشیا والے ان چیزوں سے فارغ ہیں اور ایسی ہی حالت کو دیکھتے ہوئے کسی دہریہ مزاج دل جلے نے کسی مجلس میں جہاں یہ بات ہو رہی تھی کہ یورپ بہت ترقی کر رہا ہے مگر ایشیا کو ترقی کا کوئی موقع نہیں ملتا یہ کہہ دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو یورپ ہی سے فرصت نہیں ملتی ایشیا کی طرف کیسے دھیان دے سکتا ہے۔ اسے یہ خیال نہ آیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کو یورپ سے فرصت نہیں مگر اس کی وجہ یہ ہے کہ یورپ دنیوی طور پر اس کے قانون کی پابندی کرتا ہے اور ایشیا نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ جو ہمارے قانون کی پابندی نہیں کرتے انہوں نے ہم کو بھلا دیا اس لئے ہم نے ان کو بھلا دیا۔ اللہ تعالیٰ کو بھلانا صرف دینی لحاظ سے ہی نہیں ہوتا بلکہ دنیوی لحاظ سے بھی ہوتا ہے اور دنیوی لحاظ سے خدا تعالیٰ کو نہ بھلانے والا ہی دنیوی رنگ میں کامیاب ہوسکتا ہے۔ مثلاً خدا تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ جو روٹی کھاتا ہے اسی کا پیٹ بھرے گا اور جو نہیں کھاتا اس کا پیٹ نہیں بھرتا، اس لئے کہ خدا تعالیٰ کا یہی قانون ہے۔ اب ایک شخص بہت نمازیں پڑھے، روزے رکھے زکوٰۃ دے، حج کرے لیکن روٹی نہ کھائے اور کہے کہ خدا تعالیٰ میری طرف توجہ نہیں کرتا اور میرا پیٹ نہیں بھرتا یا پڑھائی تو نہ کرے لیکن شکوہ یہ کرے کہ دیکھو فلاں شخص نے میٹرک یا بی۔ اے یا ایم۔ اے پاس کرلیا ہے اور میں کودن ہی ہوں۔ تو ہم اسے کہیں گے کہ تم احمق نمازی ہو، احمق روزہ دار ہو، احمق حاجی اور احمق خیرات دینے والے ہو کیا تم کبھی مدرسے گئے یا تعلیم پر کوئی وقت صرف کیا کہ میٹرک یا بی۔ اے یا ایم۔ اے پاس کر سکتے۔ اگر تم نے اس طرف توجہ ہی نہیں کی تو علم حاصل کیسے کر سکتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے دنیوی ترقی کے جو ذرائع مقرر کئے ہیں ایشیا ان کو بھول چکا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو بھلا دیا۔ اس کے برعکس یورپ نے جب خدا تعالیٰ کے قانون کی طرف توجہ کی تو خدا تعالیٰ نے بھی اس کو یاد کیا لیکن اس نے دین کے معاملہ میں خدا تعالیٰ کو بُھلا دیا پس اس بارہ میں

خدا تعالیٰ نے بھی اسے بھلا دیا۔ بہر حال ایشیا اس وقت سیاسی لحاظ سے خدائی قانون کو توڑ کر اس کی نظروں سے گرا ہؤا ہے اور یورپ خدا تعالیٰ کے دنیوی قانون کو پورا کرتے ہوئے دنیوی لحاظ سے اس کی نظروں میں پسندیدہ ہے اس لئے اس کی شان وشوکت کے مقابلہ میں ایشیا کی حیثیت کچھ نہیں۔

زیکوسلوا کیہ ایک چھوٹا سا ملک ہے جو چین کے ایک صوبہ کے برابر بھی نہیں مگر چونکہ یورپ میں ہے اس لئے یورپین حکومتوں کے خون میں فوراً جوش پیدا ہؤا اور انہوں نے کہہ دیا کہ اگر اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو ہم جنگ کریں گے لیکن چین ایشیا میں ہے۔ وہاں عرصہ سے جنگ جاری ہے۔ اگر اس میں زیکوسلوا کیہ کی ساری آبادی کے برابر لوگ ایک دن میں بھی قتل ہو جائیں تو کسی کو فکر نہیں مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کی ذمہ داری کس پر ہے۔ کیا یورپ والوں نے ایشیائیوں سے کہا تھا کہ تم اپنی ہمتوں کو پَست اور ارادوں کو کمزور کرلو۔ بہر حال زیکوسلوا کیہ چونکہ یورپ میں تھا اس لئے یورپین حکومتوں میں جوش پیدا ہؤا اور انہوں نے کہہ دیا کہ اگر اس پر حملہ کیا گیا تو لڑائی ہوگی۔ ایک طرف زیکوسلوا کیہ کی امداد کے لئے روس اور فرانس نے اعلان کیا تو دوسری طرف اٹلی جرمنی کی امداد کے لئے تیار ہو گیا۔ انگلینڈ نے صلح کرانے کی کوشش کی مگر یہ بھی کہہ دیا کہ اگر فرانس کو جنگ میں شامل ہونا پڑا تو ہم لازماً اپنے دوست کی امداد کریں گے ہم اسے چھوڑ نہیں سکتے۔ اس معاملہ میں انگریزی حکومت بِالخصوص وزیر اعظم نے جو کوشش کی ہے اس کے متعلق عام طور پر یہی احساس ہے کہ اس نے کمزوری اور بزدلی دکھائی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب اس جھگڑے کی ساری تاریخ پڑھی جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ انہوں نے کوئی کمزوری یا بزدلی نہیں دکھائی۔

اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ زیکوسلوا کیہ کی حکومت بنانے میں انگریزی قوم کا کوئی دخل نہ تھا زیک بڑی جنگجو قوم ہے کسی زمانہ میں اس نے وسطی یورپ میں زبردست حکومت قائم کی تھی اور کئی سو سال تک ان کی بادشاہت رہی لیکن بعد میں آسٹرین حکومت نے اسے فتح کرلیا اور آہستہ آہستہ اس کا کچھ حصہ آسٹریا کچھ جرمنی اور کچھ ہنگری نے ملا لیا اور اس طرح یہ لوگ قریباً ایک ہزار سال تک غلام رہے۔ اٹھارویں صدی میں انہوں نے تعلیم کی طرف توجہ کی اور علم

کی وجہ سے ان میں بیداری پیدا ہونے لگی اور اس وجہ سے انہوں نے حقوق مانگنے شروع کئے اور اس کے لئے جدو جہد کرنے لگے اور اس طرح سو سال تک لڑتے جھگڑتے رہے۔ اتنے میں ان کی خوش قسمتی سے جنگ عظیم شروع ہوئی تو ڈاکٹر بینز اور بعض دوسرے لیڈروں نے اپنے اہلِ ملک کو اُکسایا اور انہوں نے مزید جوش کے ساتھ جدو جہد جاری کی نتیجہ یہ ہوا کہ صلح کے معاہدہ کے وقت فرانس وغیرہ کی مدد سے وہ ایک علیحدہ حکومت قرار دے دی گئی۔ امریکہ کے پریذیڈنٹ ولسن نے جنگ کو ختم کرنے کے لئے یہ اصول قائم کیا تھا کہ کسی کو یہ حق نہیں کہ کسی دوسری قوم پر حکومت کرے ہر قوم کو اس کا علاقہ دے دیا جائے لیکن صلح کے وقت اس اصول پر عمل نہیں ہوا۔ فرانس اور برطانیہ نے افریقہ کے سارے علاقے آپس میں بانٹ لئے جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے نزدیک ایشیائی انسان ہی نہیں ہیں۔ پھر بعض ملکوں میں وہ مربی بن گئے، عراق کے مربی انگریز اور شام کے فرانسیسی ہو گئے گویا یہ ممالک یتیم تھے جن کے لئے کسی نہ کسی مربی کی ضرورت تھی۔ جو ان کی نگہداشت کرے۔ فلسطین والے یتیم رہ گئے تھے ان کے مربی بھی انگریز بن گئے تو گویا کچھ ممالک کو تو یتیم قرار دے کر ان کے لئے مربی مقرر ہو گئے اور کچھ ایسے تھے جن میں رہنے والوں کو آدمی نہیں بلکہ جانور سمجھا گیا اور ان کے متعلق یہی فیصلہ ہوا کہ ان کو باہم بانٹ لیا جائے۔ چنانچہ افریقہ کے کچھ علاقے برطانیہ نے اور کچھ فرانس نے لے لئے اور یہ ایک نہایت ظالمانہ فعل تھا جو ان حکومتوں سے سرزد ہوا۔ دیانت داری کو اگر ملحوظ رکھا جائے تو یہی فیصلہ کرنا پڑے گا کہ لڑے بھڑے بغیر کوئی کسی کو اپنے ماتحت نہیں کر سکتا۔ افریقہ کے حبشی تو کسی سے لڑے نہیں تھے وہاں سے اگر جرمنوں کو نکالنا تھا تو چاہئے تھا کہ ان کو آزاد کر دیا جاتا۔ یہ عذر کہ وہ حکومت کے قابل نہ تھے بالکل غلط ہے۔ جرمن ہمیشہ یہ کہتے ہیں کہ انگریز حکومت کے نااہل ہیں اور اس طرح ہر قوم اپنے آپ کو ہی سلطنت کا اہل سمجھتی ہے۔ اگر اس بناء پر کہ دوسرے کے نزدیک وہ حکومت کے اہل نہیں کسی قوم کو حکومت سے محروم کر دینے کا اصول مان لیا جائے تو چاہئے کہ انگریز بھی حکومت سے دست بردار ہو جائیں کیونکہ جرمنوں کی رائے میں وہ اس کے قابل نہیں۔ کیا انگریز اس کے لئے تیار ہیں کہ اہلِ جرمنی ان پر حکومت کریں۔ یا جرمن اس کے لئے تیار ہے کہ انگریز ان پر حکومت کریں، کیا فرانسیسی اسے پسند کریں گے کہ

ان پر جرمن حکمران ہوں اور اسی طرح کیا یہ سب ممالک اس بات کو مان لیں گے کہ ان پر امریکہ کی حکومت ہو۔ ہر قوم اپنا قومی غرور رکھتی ہے اور خیال کرتی ہے کہ میں دوسرے سے برتر ہوں تو کیا اس وہم کی بناء پر اسے دوسروں پر حکومت کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر تو سوال یہ ہوتا کہ افریقہ کے لوگ جرمنی یا انگلستان پر حکومت کریں تب تو بے شک یہ کہا جا سکتا تھا کہ وہ جاہل ہیں لیکن ان کو اپنے ملک میں اور اپنے جیسوں پر حکومت کرنے دینے میں کوئی حرج نہیں تھا کیونکہ جن پر حکومت کی جاتی ہے وہ بھی تو کوئی تعلیم یافتہ نہیں بلکہ جاہل ہی ہیں۔ جب تعلیم یافتہ اقوام کو اپنے ملک پر حکومت کا حق ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ جاہلوں کو اپنے ملک میں حکومت کے ناقابل قرار دیا جائے۔

کیا یہ کبھی ہوا ہے کہ جو حقوق عورتوں کو حاصل ہیں ان سے زمینداروں کو اس بناء پر محروم کر دیا جائے کہ وہ جاہل ہیں قانون اور شریعت ہر خاوند اور ہر بیوی کو یکساں حقوق دیتے ہیں۔ ایک مزدور کی بیوی کو بھی وہی حقوق حاصل ہیں جو ایک عالم یا جرنیل یا بادشاہ کی بیوی کو دیئے جاتے ہیں اور اسی طرح جاہل خاوند اور عالم خاوند کو اپنی اپنی بیوی پر یکساں حقوق دیئے جاتے ہیں کیونکہ اگر زمیندار اَن پڑھ ہے تو اس نے معاملہ بھی تو اپنی اَن پڑھ بیوی کے ساتھ ہی کرنا ہے۔ اسی طرح افریقہ کے لوگ جاہل ہی سہی مگر کیا وہ اپنے اوپر حکومت کے بھی اہل نہیں۔ آخر جب یورپ کے لوگ وہاں نہیں پہنچے تھے تو وہ اپنا گزارہ کرتے ہی تھے وہی صورت اب بھی ہو سکتی تھی۔ کسی دوسری قوم کو کیا حق ہے کہ کسی دوسرے ملک میں جا کر بزورِ قوت نَو آبادیاں قائم کرے۔ تو یہ نہایت ظالمانہ فعل تھا جو یورپ نے غرور کے نشہ میں کیا اس نے بعض اقوام کو تو آدمیوں میں شمار نہیں کیا بلکہ جانور سمجھ کر آپس میں بانٹ لیا بعض کو آدمی تو قرار دیا مگر یتیم جن کے لئے مربیوں کی ضرورت تھی جو ان کو کھلائیں پلائیں اور ان کی جائدادوں کا انتظام کریں۔ یہ تو ایشیا کے ساتھ سلوک ہوا لیکن یورپ والوں کو آدمی سمجھ کر حقوق دے دیئے گئے اور اس طرح عملاً اس اصول کی خلاف ورزی ہوئی جو مسٹر ولسن نے صلح کے لئے تجویز کیا تھا اور اسی کے نتیجہ میں جرمنی کا کچھ علاقہ چھین کر زیکوسلواکیہ کے ساتھ ملا دیا گیا۔ اس حکومت کے بنانے میں دراصل فرانسیسیوں کا دخل تھا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ جرمنی ہمارا پرانا دشمن ہے اس لئے

اس کے پہلو میں ایک ایسی حکومت قائم کر دی جائے جو ہماری دوست ہو تو جب جرمنی کے ساتھ جنگ ہو تو وہ حکومت ایک طرف سے حملہ کر دے اور ہم دوسری طرف سے کریں۔ اسی طرح ایک پولش حکومت بھی بنائی گئی لیکن مثل مشہور ہے کہ جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے، جرمن قوم کے متعلق خدائی فیصلہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے رکھے گا اور اس لئے یہ کس طرح ممکن تھا کہ کوئی اسے چکھ سکتا۔ پہلے اٹلی میں مسولینی پیدا ہوا، اس کے بعد جرمنی میں ایک شخص آگے آیا جسے اس کی قوم فیوہرر یعنی لیڈر کہتی ہے۔

یہ شخص پہلے فوج میں دفعدار کی حیثیت رکھتا تھا اور جنگِ عظیم سے پہلے یہ ایک معمولی ڈرافسمین تھا اور انجینئر کے زیرِ ہدایت نقشے تیار کیا کرتا تھا۔ جنگ کے بعد اس کے دل میں خیال آیا کہ پریذیڈنٹ ولسن نے تو تحریک کی تھی کہ اگر جرمنی لڑائی چھوڑ دے تو صلح ان اصول کے ماتحت کی جائے گی کہ کوئی قوم دوسری قوم کو اپنے ماتحت نہ رکھے لیکن ہمارے ملک کا ایک حصہ تو زیکوسلواکیہ کے ساتھ ملا دیا گیا ہے حالانکہ اس کا کسی کو حق نہیں تھا اور اس نے اعلان کیا کہ ہم اسے واپس لیں گے، اسی طرح اس نے بعض اور باتیں بھی سوچیں۔ پھر اس نے اس سوال پر غور کرنا شروع کیا کہ لڑائی میں ہمیں شکست کیوں ہوئی اور آخر کار وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ یورپین اقوام نے جو ہمارے خلاف لڑ رہی تھیں یہودیوں کو رشوت دے کر ملک کے اندر فساد برپا کرا دیا تھا۔ انہوں نے یہودیوں کو اُکسایا اور ان سے وعدہ کیا کہ تمہیں فلسطین میں آباد کیا جائے گا تم کوشش کرو کہ جرمنی کی طاقت کمزور ہو جائے۔ چنانچہ وہ روپے والے لوگ تھے، جس طرح یہاں ساہوکار جس طرف چاہیں زمینداروں کو ہانک کر لے جاتے ہیں انہوں نے جرمنی میں فساد پیدا کر دیا اور ایجی ٹیشن شروع کرا دی تو وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ جنگ میں ہماری کمزوری کا موجب دراصل یہودی تھے اور اس لئے اس نے اپنی انجمن کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی رکھا کہ ہم کسی غیر ملکی کو اپنے ملک میں نہیں رہنے دیں گے۔ مہمان کے طور پر تو رہ سکتا ہے لیکن مستقل طور پر یہاں سکونت اختیار نہیں کر سکتا، ووٹ نہیں دے سکتا، حکومت میں کوئی حصہ نہیں لے سکتا اور نوکری وغیرہ حاصل نہیں کر سکتا۔ اس نے اپنی انجمن کے لئے پچیس نکات مقرر کئے جن میں سے کئی ایسے ہیں جو اسلامی تعلیم کے مطابق ہیں اور وہی دراصل اس کی برکت کا موجب

ہوئے ہیں۔مثلاً فیوہرر نے ایک مقصد اپنا یہ بھی رکھا کہ ہم سود کی لعنت کو ملک سے دور کریں گے اور اس یورپ میں جس کا تمام کاروبار ہی سود پر چل رہا ہے اس نے بنکوں وغیرہ پر ایسا تصرف قائم کیا ہے کہ سود کو بہت محدود اور کم کر دیا ہے اگرچہ کُلّی طور پر دور کرنے کی توفیق اسے تا حال نہیں ملی۔ جب فیوہرر ان خیالات کو لے کر کھڑا ہؤا تو چونکہ جرمن قوم میں ابھی بیداری موجود تھی، وہ ایک زندہ قوم تھی، تعلیم بھی موجود تھی۔اس لئے لوگ آناً فاناً اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔جبکہ بویریا میں ان کی تعداد ابھی سو کے قریب ہی تھی وہ ان کو لے کر برلن کی طرف چل پڑا۔اسے اس قدر وثوق تھا کہ لوگ اس کے ساتھ خود بخود شامل ہو جائیں گے کہ تعداد کی اس قدر کمی کے باوجود وہ ڈرا نہیں لیکن پولیس نے آکر اسے گرفتار کر لیا۔غالباً ۱۹۲۳ء یا ۱۹۲۴ء میں وہ قید ہؤا اور اس سے اگلے سال معافی کا اعلان ہو گیا۔قید سے نکل کر اس نے پھر کوشش شروع کی۔قوم زندہ اور بیدار تھی اور گو اس کی باتیں نئی تھیں مگر مذہب نہیں بدلا گیا تھا کہ لوگوں کو یہ جدت ناگوار گزرتی۔نتیجہ یہ ہؤا کہ اس کی طاقت روز بروز بڑھنے لگی۔۱۹۲۶ء میں اس کی پارٹی کے دو آدمی پارلیمنٹ میں آئے۔۱۹۲۹ء میں بارہ اور ۱۹۳۲ء میں بائیس اور ۱۹۳۳ء میں حکومت ہی ان کے قبضہ میں آ گئی۔اس کے پچیس نکات میں سے ایک یہ تھا کہ ہم آسٹریا کا الحاق کریں گے۔ چنانچہ وہ اس میں کامیاب ہو گیا اور اس کے بعد اس نے اپنے ملک کے دوسرے حصوں کو واپس لینے کی طرف توجہ کی۔

میں بتا یہ رہا تھا کہ فیوہرر کے نکات میں سے بعض اسلام کی تعلیم کے مطابق ہیں۔ایک تو یہی کہ اس نے سود کو کم کیا ہے اور اسے دور کرنے کی فکر میں ہے۔اس کی یہ بات اسلامی تعلیم کے قریب لانے والی ہے اور اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ انہی قوموں کو برکت دے رہا ہے جو اسلامی تعلیم کے قریب آ رہی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ فیوہرر کو برکت مل رہی ہے۔ پھر اس نے عورتوں کے متعلق یہ حکم دیا ہے کہ ان کو گھروں میں بٹھاؤ اور اگرچہ اسلامی پردہ تو اس نے قائم نہیں کیا مگر ان کا مردوں کے ساتھ آزادانہ اختلاط ناچ گانوں میں شامل ہونا وغیرہ باتوں کی ممانعت کر دی ہے اور حکم دیا ہے کہ عورتیں گھروں میں بیٹھیں شادیاں کریں اور بچے جنیں۔ جو مرد عورت شادی کریں ان پر ٹیکس میں کمی کر دی جاتی ہے اور جب بچوں کی ایک خاص تعداد ہو جائے

تو خاص انعام دیا جاتا ہے اور یہ بھی اسلامی اصول کے مطابق ہے کیونکہ اسلام رہبانیت کو دور کرنے کا حکم دیتا ہے پھر اس نے یہ بھی کہا ہے کہ موجودہ عیسائی مذہب نے ہم کو کمزور کر دیا ہے۔ یہ مذہب دنیا کی نجات کا موجب نہیں ہوسکتا اور اس لئے ہم اسے مٹائیں گے چنانچہ جرمنی میں عیسائیت پر سختیاں کی جاتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ پوپ ہمیشہ فیوہرر کے خلاف اعلان کرتا رہتا ہے، تو اسلام کی کئی باتیں اس کے اندر پائی جاتی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں یہودیوں نے جو جرمنی کو تباہ کیا تھا اس وعدہ پر کہ انہیں فلسطین میں آباد ہونے کا موقع مل جائے گا اللہ تعالیٰ نے اس کا زبردست بدلہ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جرمنی سے نکلوایا اور جرمن قوم کو پھر ایک زبردست سلطنت عطا کر دی۔ فیوہرر کی تحریک کو کئی رنگ میں اسلامی تعلیم کے ساتھ تعلق تھا اور اس نے جو کام کیا ہے وہ اسلام کی تعلیم کو دنیا کے زیادہ قریب کرنے کا موجب ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے طاقت دی۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ مسیح موعودؑ کے زمانہ میں دجال آپ ہی آپ گُھلتا جائے گا اور اس کا یہی مطلب ہے کہ عیسائیت سے تعلق رکھنے والوں کے دلوں سے اس کی عظمت اُٹھ جائے گی۔ یہ ساری علامتیں وہی پیشگوئیاں ہیں جو احادیث میں موجود ہیں اور پوری ہو رہی ہیں۔

فلسطین میں یہودیوں کو جگہ ملنا بھی حدیث کی پیشگوئی کے عین مطابق ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دجال کے ساتھ یہودی پھر فلسطین میں داخل ہوں گے۔ اب دیکھ لو یہودی داخل ہو رہے ہیں یا نہیں، پھر دیکھ لو کن کے ساتھ داخل ہو رہے ہیں، صاف ظاہر ہے کہ عیسائی حکومتوں کے ساتھ، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے دجال کے ساتھ فلسطین میں داخلہ کی پیشگوئی صاف الفاظ میں فرما دی تھی۔

اب مَیں وہ اصل مضمون بیان کرتا ہوں جس کی طرف آج کے خطبہ میں توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ ۱۹۲۴ء میں مَیں نے جو کتاب احمدیت یعنی حقیقی اسلام لکھی تھی اس میں مَیں نے بِالوضاحت بتایا تھا کہ لیگ آف نیشنز کا قیام غلط اصول پر ہے۔ قرآن کریم نے جو لیگ پیش کی ہے یہ لیگ اس کے خلاف بنائی جا رہی ہے اور جب تک اس میں اصلاح کر کے قرآن کریم کی بتائی ہوئی لیگ قائم نہیں ہوگی دنیا میں امن قائم نہیں ہوسکتا۔ قرآن کریم نے لیگ کے لئے جو اصول رکھے ہیں ان میں سے ایک اہم اصول یہ ہے کہ جب کوئی ظالم ظلم کرے تو اس کا ہاتھ روکو،

مظلوم کی مدد کرو اور دوسرا یہ کہ یہ نہ کرو کہ ظالم پر فتح پانے کے بعد تم اسے لوٹنے لگو، صرف اتنا کرو کہ مظلوم کا حق اسے دلواؤ۔

میں نے اپنی اس کتاب میں اس امر کی طرف توجہ دلائی تھی کہ لیگ آف نیشنز نے قرآن کریم کے اس حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔ یعنی جرمنی کے بعض علاقے اس سے چھین کر دوسروں کو دے دیئے گئے ہیں اور میں نے وضاحت سے یہ لکھ دیا تھا کہ چونکہ یہ قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف کیا گیا ہے اس لئے اس کے نتیجہ میں دنیا میں امن نہیں ہوگا۔ پھر یہ شرط رکھی گئی ہے کہ لیگ کے کاموں میں فوج استعمال نہیں کی جائے گی میں نے لکھا تھا کہ یہ اصول بھی غلط ہے۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ فوج کے بغیر لیگ کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی اور آج چودہ سال بعد واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ قرآن کریم نے جو بات پیش کی تھی اور جس کے متعلق مجھے یہ فخر ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ سرِّ قرآنی اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر مجھ پر کھولا ہے، آخر سچی ثابت ہوئی۔ آج جو امن قائم ہؤا ہے وہ اسی وجہ سے ہؤا ہے کہ فرانس اور برطانیہ نے اپنی افواج کو تیاری کا حکم دے دیا اور ان کو باہر نکالا جس سے فیوہرر کو یہ خیال ہؤا کہ اب سنبھل کر چلنا چاہیئے ورنہ لاکھوں جانیں ضائع ہوں گی۔

پس آج وہ لیگ کامیاب ہوئی ہے جو قرآن کریم نے پیش کی تھی اور جسے بیان کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ نے مجھے دی تھی، نہ وہ جو یورپ والوں نے بنائی تھی اور چونکہ قرآن کریم کا یہ اصول برطانیہ کے وزیراعظم مسٹر چیمبرلین کے ذریعہ پورا ہؤا ہے اس لئے انہیں بزدل کہنا غلطی ہے۔ اگر تو انگریزوں نے زیک حکومت کی بنیاد رکھی ہوتی تو یہ اعتراض ان پر ہوسکتا تھا کہ اسے چھوڑتے کیوں ہو۔ مگر انگریزوں نے تو اس وقت بھی اس کی مخالفت کی تھی اور کہا تھا کہ یہ غیر طبعی تقسیم ہے جن لوگوں سے یہ علاقے چھینے گئے ہیں انہوں نے اگر لڑائی کی تو ہم ذمہ دار نہیں ہونگے اور جو ذمہ دار نہیں اس پر اعتراض کیسا۔ ہاں اگر کوئی اعتراض ہوسکتا ہے تو فرانس پر کہ جس نے یہ حکومت بنوائی تھی۔ اگر بزدلی ہے تو اس کی جس نے پہلے حکومت قائم کرائی اور جب اس کے لئے مصیبت کے دن آئے تو پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی مثال تو وہی ہے کہ کہتے ہیں کوئی پٹھان تھا جس نے بڑی بڑی مونچھیں رکھی ہوئی تھیں جیسے فوجی لوگ اوپر اٹھا کر رکھتے ہیں وہ بھی رکھتا تھا اور اس

وجہ سے اس کے دل میں خیال پیدا ہونا شروع ہوا کہ میرے سوا کسی کو مونچھیں اونچی کرنے کا حق ہی نہیں ۔ بازار میں چلتے چلتے ذرا کسی کے بال کھڑے دیکھے خواہ کپڑا لگنے سے ہی ہو گئے ہوں تو جھٹ اسے ڈانٹنا شروع کر دیا کہ کم بخت مونچھیں نیچی کرتا ہے یا نہیں ۔شہر والے اس کی ان حرکات سے سخت تنگ تھے مگر جرأت نہیں کرتے تھے کہ اسے کچھ کہیں ۔ایک شخص نے ارادہ کیا کہ میں اسے سیدھا کروں گا چنانچہ اس نے گھر میں بیٹھ کر مونچھوں کے بالوں کو خوب پالنا شروع کیا اور خوب موم لگا لگا کر انکو اونچا کرتا رہا اور پھر ایک روز خوب اکڑ کر اور تلوار وغیرہ لگا کر بازار میں آیا۔ کسی نے خان صاحب کو بھی خبر کر دی وہ بہت جز بز ہوئے اور اسے کہا کہ کم بخت مونچھیں نیچی کرتا ہے کہ نہیں ، تجھے معلوم نہیں کہ یہاں سوائے میرے کوئی مونچھیں اونچی نہیں رکھ سکتا۔ اس نے جواب دیا کہ تم کون ہو؟ میرا حق ہے کہ مونچھیں اونچی رکھوں بلکہ میں تم کو کہتا ہوں کہ تم فوراً مونچھیں نیچی کر لو نہیں تو تمہاری میری جنگ ہوگی اور فیصلہ تلوار سے ہوگا۔ اس پر خان صاحب نے بھی تلوار سنبھالی لیکن قبل اس کے کہ لڑائی شروع ہو اس شخص نے کہا کہ خان صاحب مجھے ایک خیال آیا ہے۔ لڑائی میں اگر آپ مارے گئے تو آپ کی بیوی بیوہ اور بچے یتیم ہو جائیں گے اور پھر طرح طرح کے مصائب اٹھائیں گے اور اگر میں مارا گیا تو میرے، اس لئے بہتر ہو گا کہ آپس میں لڑنے سے قبل پہلے اپنی اپنی بیوی اور بچوں کا صفایا کر دیا جائے تا ہماری وجہ سے انہیں تکلیف نہ ہو۔ خان صاحب فوراً آمادہ ہو گئے ، گھر میں گئے اور سب کو ہلاک کر کے آئے ۔ ہاتھ میں تلوار تھی جس سے خون ٹپک رہا تھا اور آتے ہی اس سے کہا کہ آؤ اب فیصلہ کر لیں لیکن اس نے جواب دیا کہ نہیں خان صاحب مَیں نے سوچنے کے بعد یہی فیصلہ کیا ہے کہ مجھے اپنی مونچھیں نیچی کر لینی چاہیں آپ ہی اونچی رکھیں میری رائے اب بدل گئی ہے۔ تو وہی کام فرانس نے کیا ہے ۔ پہلے تو ایک قوم بنوائی حالانکہ اس وقت انگریز اور امریکہ سب اس بات کے خلاف تھے لیکن جب وہ قوم تیار ہو گئی اور ادھر سے جرمن تیار ہوئے کہ ہم لڑتے ہیں تو فرانس نے جھٹ مونچھیں نیچی کر لیں اور بیچ میں آ کر کہہ دیا کہ نہ لڑو۔ مگر اتنی کسر رہ گئی کہ اس شخص نے تو دشمن کو اپنی تدبیر سے نقصان پہنچایا تھا فرانس نے خود اپنے دوستوں کو نقصان پہنچایا ہے۔

پس اگر اس میں کسی پر الزام آسکتا ہے تو فرانس پر انگریزوں پر نہیں ۔اس میں شک نہیں کہ

گزشتہ چند سالوں میں پنجاب میں بعض انگریزوں نے ہمارے ساتھ نہایت ہی گندہ رویہ اختیار کئے رکھا ہے اور بہت بری فطرت کا ثبوت پیش کیا ہے اور اسکی سزا ان لوگوں کو مل بھی رہی ہے اور انشاءاللہ اور بھی ملتی رہے گی اور اس امر کا ثبوت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اپنے دشمنوں کو سزا دینے کے لئے زمینی ہتھیاروں کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ خود آسمانی حربوں سے ان کا بدلہ لیتا ہے مگر باوجود ان حالات کے ہم یہ نہیں کر سکتے کہ سب انگریزی قوم کو بُرا کہیں اور ان کے اچھے افراد کی خوبیوں کا اعتراف نہ کریں مسٹر چیمبرلین نے ستّر سال کی عمر میں جس درد کے ساتھ تکلیف کو برداشت کر کے امن قائم کرنے کی کوشش کی ہے وہ انگریزی قوم کے لئے باعثِ فخر ہے اور مسٹر چیمبرلین کی عزت کو بڑھانے کا باعث۔ انہوں نے قطعاً کوئی بزدلی نہیں دکھائی، پارلیمنٹ میں انہوں نے جو تقریر کی وہ بہت ہی شریفانہ تھی، آپ نے کہا کہ ہمیں آج سے بیس سال قبل چاہئے تھا کہ ایک قوم کو دوسری کے ماتحت نہ کرنے دیتے، پھر اس بیس سال کے عرصہ میں کئی مواقع آئے مگر ہم نے اس کا ازالہ نہ کیا اور اس ظلم کو یونہی رہنے دیا۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو با اخلاق آدمی کے منہ سے ہی نکل سکتی ہے اور گو وہ سچے مذہب پر قائم نہیں ہیں لیکن ان کی اس تقریر سے یہ ضرور واضح ہوتا ہے کہ ان کے اندر شرافت اور خوفِ خدا ضرور ہے آج ہی میں نے ان کی تقریر کا ایک اور فقرہ سنا۔ ان کے ملک میں بھی یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ بڈھا بزدل ہے بلکہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ اسے الگ کر دیا جائے لیکن آپ نے اپنی تقریر میں کہا کہ لوگ مجھ پر اعتراض کر رہے ہیں اور میرا عمل یہ ہے کہ میں نے سخت مصیبت اٹھا کر آگ میں سے ایک چیز نکالی ہے اور وہ دنیا کا امن ہے۔ تم مجھے بیشک گالیاں دے لو مگر میں نے یہ کام کیا ہے کہ دنیا میں امن قائم کر دیا ہے اور دنیا کو بہت بڑی تباہی سے بچا لیا ہے۔

جیسا کہ میں پہلے بھی کئی بار یہ کہہ چکا ہوں کہ اگر اب جنگ ہوئی تو نہایت خطرناک ہوگی اور عین ممکن ہے کہ ایک دو سال میں ہی دس بیس بلکہ پچاس کروڑ آدمی مارا جائے اور گو یہ جنگ ہو کر تو رہے گی کیونکہ پیشگوئیوں سے یہی ثابت ہوتا ہے مگر اسے بھڑکانے والے خطرناک مجرم ہونگے اور اگر اس کے آثار دیکھتے ہوئے برطانوی وزیراعظم نے کوشش کی کہ یہ جنگ ٹل جائے اور اس بناء پر کی کہ ایک قوم کے ساتھ ناانصافی ہوئی ہے تو اس کی یہ کوشش بہت قابلِ قدر ہے

اور اس کے ذریعہ قرآن کریم کے اصول غالب آئے ہیں اور ہمیں یہ موقع ملا ہے کہ ہم یورپ سے کہیں کہ تم نے سینکڑوں سال کے تجربہ کے بعد ایک لیگ قائم کی لیکن غلام ہندوستان کے شہروں سے دور ایک گاؤں سے جہاں گو اب گاڑی آ چکی ہے مگر اس وقت نہیں تھی ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غلام نے یہ آواز اٹھائی کہ میرے آقا نے خدا تعالیٰ سے خبر پا کر جو تعلیم دی تھی تم اس کے خلاف چل رہے ہو اس لئے اس کا خمیازہ تمہیں بھگتنا پڑے گا اور اس آواز کے چودہ سال بعد تم نے اپنے عمل سے تسلیم کر لیا ہے کہ تمہارا فیصلہ غلط تھا اور امن قائم کرنے کا وہی طریق ہے جو قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے اور جسے اسکے ایک خادم نے چودہ سال پہلے پیش کیا تھا۔ یعنی یہ کہ جب تم ظالم کو دبا لو تو یہ نیّت مت کرو کہ اب موقع ہے اسے مٹا دیں صرف مظلوم کا حق اسے دلوا دو اور بس ۔

اگر جنگِ عظیم کے بعد اس تعلیم پر عمل کیا جاتا تو نہ زیکوسلواکیہ کی یہ حکومت قائم ہوتی نہ مسولینی اور نہ فیوہرر پیدا ہوتے اور نہ نئی جرمنی معرضِ وجود میں آتی اور نہ اس جنگ کے آثار نمودار ہوتے جو بظاہر ایک دن واقع ہو کر ہی رہے گی اور جس کی تباہی کا خیال کر کے بھی انسان کا دل کانپ جاتا ہے۔“

(الفضل ۱۹؍ اکتوبر ۱۹۳۸ء)